اسلامی ریاست میں قیادت کے راہنما اصول (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

Principles of Leadership in Islamic State (In the Light of Islamic Teachings)

ڈاکٹر نور حیات خان*

ABSTRACT

Islamic state is responsible to provide the means of protection for its inhabitants. It is the religious and spiritual duty of Islamic state to protect the Islamic culture and civilization as well so that the Muslims could perform their religious and social duties freely. Likewise, an Islamic state is supposed to ensure justice into the society. It indicates that establishing an Islamic state is core responsibility of Muslims so that they could practice their religion in free atmosphere and religious leadership. In this connection, the purpose of this research paper was to explore the principles of leadership in an Islamic state. The qualitative and descriptive research methodology was employed for the collection and analysis of data. The review of literature revealed that Muslim scholars have given particular emphasized on establishing the Islamic state. Moreover the jurists have counted the essential qualities in Islamic leadership. In this context, this article has dealt with the ideal principles which are necessary for the Islamic leadership. These principles are extracted from Qur'ān, Sunnat and life of Holy Prophet (ﷺ).

Key words: *Islamic state, habitant, establishment, Muslim Ummah, leadership, responsibility, guiding principles.*

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، پاکستان

دنیامیں موجود مسلم ریاستوں کے اندر اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے کیونکہ ان میں رعایا کے حقوق کو تحفظ فراہم نہیں کیا گیا۔اس کی وجوہات اور کمزوریاں کیاہیں ؟اور وہ کون کون سے اصول ہیں ؟جن کا پاس ولحاظ نہیں رکھاجاتا، جس کی وجہ سے ان ریاستوں کو ہمہ جہت سماجی وتہذیبی اوراخلاقی وسیاسی چیلنجز در پیش ہیں، جس کی جہ سے رعایااضطرابی کیفیت سے دوچار ہے۔

چونکہ اسلامی ریاست مسلمانوں کے تحفظ کا ذریعہ ہے، اس لیے اس کا قیام ایک ناگزیر عمل ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں امت مسلمہ پر جو اجتماعی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ان کو پورا کرنا ریاست کی اولین ذمہ داری ہے تاکہ امت کی اخلاقی اور تہذیبی اقدار کی حفاظت ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے اسلامی ریاست میں احتساب کے ادارے کا قیام لازمی ہے۔ امت اور ریاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور ہر ایک اپنے قیام کے لیے دوسرے کی مرہون منت ہے۔ امت کے بغیر ریاست، اور ریاست کے بغیر امت کا تصور بے کار ہے۔ اسی وجہ سے اکثر متکلمین کے نزدیک اسلامی ریاست کا قیام صرف معاشرتی ہی نہیں بلکہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہے۔لہذااس کی قیام کی ذمہ داری مجموعی طور پر تمام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، جہاں وہ اپنے خالق ومالک کے بتائے ہوئے نظامِ زندگی کو اجتماعی مفادِ عامہ کے لیے بروئے کار لاسکیں۔اس نظامِ اجتماع کو قرآن مجید میں دین کا نام دیا گیاہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ [1] اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

اسلام کے علاوہ مسلمانوں کے لیے کوئی اور نظام قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا طرزِ معاشرت ہی جداگانہ ہے۔ جس میں خود ساختگی، پیوندکاری کی اجازت نہیں۔[2] یہ نظام جامع ہونے کے ساتھ ہر طرح سے کامل بھی ہے اور مسلمانوں کی اجتماعیت کی ضامن بھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [3]

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیاہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیاہے۔

سید ابو الاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”دین کو مکمل کر لینے سے مراد اس کو ایک مستقل نظامِ فکر و عمل اور ایک ایسا مکمل نظام تہذیب و تمدن بنادینا ہے، جس میں زندگی کے جملہ مسائل کا جواب اصلاً یا تفصیلاً موجود ہو اور ہدایت و راہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی حال میں اس سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئے “[4]

---

(۱) سورۃ اٰل عمران:۱۹

(۲) ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔(سورۃ اٰل عمران:۸۵)

(۳) سورۃ المائدہ:۳

(۴) مودودی، سید ابو الاعلی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، ۱/ ۴۴۳، ۴۴۴

ایک ایسا صالح اجتماعی نظام جس میں رعایا کو ہر قسم کے حقوق حاصل ہوں، کا دارومدار ان افرادِ کار کے طرزِ عمل پر مبنی ہے، جو اس نظام کو چلاتے ہیں، جس کو اردو زبان میں قیادت کہا جاتا ہے اور عوام کی نمائندگی کرتے ہیں۔ عربی زبان میں اسے عرفاء کہا جاتا ہے جو عریف کی جمع ہے، جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ الْعِرَافَةَ حَقٌّ وَلاَ بُدَّ لِلنَّاسِ مِنَ الْعُرَفَاءِ وَلَكِنَّ الْعُرَفَاءَ فِى النَّارِ »[1]

علاقائی نمائندگی حق ہے اور لوگوں کے لیے نمائندے مقرر کرنا لازم ہے، لیکن برے نمائندے جہنم میں ہوں گے۔

عریف راہنما، سردار اور قائد کے معنی میں آتا ہے[2] جس کو نقیب بھی کہا جاتا ہے اور اس کی جمع نقباء ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لیے بارہ نقیب[3] مقرر کئے تھے، جو اپنے قبیلوں کے نمائندگی اور قیادت کرتے تھے، جو عربی میں قاد یقود سے مصدر کا صیغہ ہے[4] جس کے معنی سیادت اور تدبیر کے ہیں، معجم الرائد میں ہے:

"قاد يقود: قيادة (قود) الجيش: كان رئيسا عليه يدبر خططه وشؤونه"[5]

کسی لشکر کی قیادت، اس کی منصوبہ سازی اور معاملات کی تدبیر کرنا ہے۔

ریاستی ادارہ کی نظم وضبط کنٹرول کرنا ایک تنظیم کا متقاضی ہے، جس کے لیے عربی میں **ادارۃ** اور انگریزی میں administration کا لفظ مستعمل ہے، جس کے عمل میں دوام اور تسلسل کا پایا جانا ضروری ہے، حسن بن محمد لکھتے ہیں:

" هي عمل متواصل يبدأُ بتحديد الهدف وينتهي بتحقيقه. وهي ليست فرداً وإنما هي علاقة مصمم ومنفذين ومنظم ومتعاونين وموجه ومتجاوبين ومرشد ومطيعين "[6]

یہ ایک مسلسل عمل ہے، جو ہدف کے تعین سے شروع ہو کر مقصد کے حصول پر ختم ہوتا ہے۔ یہ انفرادی نہیں بلکہ یہ ایک ادارہ کے نافذ کرنے والا قابلِ توجہ، لائق تعاون ایک منظم کام اور مرشد و مطیع کے درمیان مضبوط تعلق کا نام ہے۔

---

(۱) ابو داود، سلیمان بن اشعث، سنن، باب فی العرافۃ، حدیث نمبر: ۲۹۳۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۳/ ۹۲
شیخ البانی نے اس حدیث کو (عن رجل عن أبيه عن جده) ایک نامعلوم راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے (شرح سنن ابی داود، عبد المحسن العباد، ۱/ ۲)

(۲) فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی، کراچی، ص: ۵۱۹

(۳) سورۃ المائدہ: ۱۲

(۴) حریری، قاسم بن علی، درۃ الغواص فی اوہام الخواص، تحقیق: عرفات مطرجی، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۹۹۸ء، ۱/ ۲۶۷

(۵) جبران مسعود، معجم الرائد، ۱/ ۱۶۸

(۶) شریف، حسن بن محمد، ادارۃ عمر الفاروق، ادارۃ المطبوعات، المکۃ المکرمۃ، ۱۴۰۱ھ، ص: ۴۹

اس عبارت میں مرشد اور مطیع کے تعلق سے نہ صرف قانون اور ضابطے کا تصور نکلتا ہے بلکہ اس سے ایک قانون، اصول اور معروف طریقہ کار بھی ملتا ہے، جو ریاست کے نظم وضبط کے لیے ضروری ہے، جیسا کہ کہتے ہیں:

"نظم الأمر : رتبه وجعله خاضعا لقانون أو قاعدة" (۱)

اس نے کام کو منظم کیا اور قانون و قاعدے کا پابند بنایا۔

نظم وضبط کے تصور کو اجاگر کرنے کے لیے قرآن مجید میں نظام، ملک، خلیفہ، شرعۃ اور ائمہ وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست ایک ادارہ ہے، جس کا ایک عقیدہ، نصب العین، پروگرام، کچھ راہنما اصول اور اخلاقیات کا ایک جامع نظام ہے۔ جس میں حاکم اور رعایا کا باہم ایک سوچ اور فکر و عمل کے تحت متحد ہونا اور انتظامی سرپرستی اور نگہداشت کے لیے آپس میں تعاون کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت کے تمام اداروں اور افراد کا اولی الامر کے ساتھ باہم مربوط و متعاون ہونا، اس کی کامیابی کے لیے از بس ضروری ہے، لیکن ان سب کا دارو مدار قیادت کے فعالیت پر مبنی ہے تا کہ قوم کو مشکل اور آڑے وقت میں گرداب سے نکالا جاسکے۔ ارشد احمد بیگ کہتے ہیں:

"قیادت کا اصل مفہوم ایسی صلاحیت ہے، جس سے دوسروں پر اثر انداز ہوا جاسکے اور جس سے افرادِ کار میں تحریک، فعالیت اور جزبہ عمل پیدا کیا جائے اور اس کے نتیجے میں مطلوبہ معیار کے مطابق طے اہداف کا حصول ممکن ہو سکے" (۲)

مقالہ ہٰذا میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وہ راہنما خطوطِ کار فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ایک قائد کے لیے اپنی ذمہ داریوں سے بطریقِ احسن عہدہ براں ہونے کے لیے مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے، تا کہ ملک وملت کو صحیح خطوط پر گامزن کیا جاسکے۔

اصول نمبر ۱ : نصب العین کی پاسداری

اسلامی ریاست کا واضح نصب العین عقیدہ توحید ہے، جو اپنے تین بنیادی اجزاء: توحید فی الذات، توحید فی الصفات اور توحید فی الالوہیت کے لحاظ سے ازلی وابدی ہے۔ جس طرح وہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا اور لا مثال ہے، اسی طرح اپنی الوہیت اور معبودیت میں بھی یکتا ہے۔ وہ حاکم اور ہم اس کے بندے اور غلام ہیں۔ اس کے احکام کی غیر مشروط اطاعت کرنا عبادت ہے (۳)۔ اس عقیدے کے لحاظ سے قیادت کے لیے لازم ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکامات کا نہ صرف پابند ہو بلکہ اس کی ترویج کے لیے ہمہ جہت اپنے منصب کو بروئے کار لاکر زمین پر اپنے خلیفہ اور

---

(۱) معجم الرائد، ۱/ ۱۴۴۳

(۲) ارشد احمد بیگ، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، نومبر ۲۰۱۴ء، ص:۵۳

(۳) مولانا گوہر رحمان، علوم القرآن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۲۰۰۳ء، ۲/ ۳۴

نائب[۱] ہونے کے تقاضے پورا کرے۔ حاکمیت الٰہی کے قیام کو اپنا نصب العین بنا کر اس کے لیے سر توڑ جدوجہد کرے۔ یہ ایک اصولی ریاست قرار پائے گی، جس کی بنیاد عقیدہ توحید پر ہے۔ جس کے بارے میں سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ایسی (اصولی) ریاست کو صرف وہ لوگ چلا سکتے ہیں جو اس کے دستور پر ایمان رکھتے ہوں، جنہوں نے اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو، جو اس کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق ہوں، نہ صرف اس میں کامل عقیدہ رکھتے ہوں بلکہ اس کی اسپرٹ کو اچھی طرح سمجھتے بھی ہوں اور اس کی تفصیلات سے بھی واقف ہوں" [۲]

ریاست کے افراد کو متحد رکھنے کے لیے اس عقیدے کے تحت جدوجہد کا فائدہ یہ ہوگا کہ تمام قوم اتحاد کی لڑی میں پروتی چلی جائیگی۔ اس طرح قوم کو منظم کرنے کے لیے زیادہ توانائی نہ صرف کرنا پڑے گی۔ اس طرح ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[۳] کے تقاضے بھی پورے ہو جائیں گے۔

لیکن یہ اثر اس وقت ظاہر ہو گا جب اسلامی ریاست کی قیادت خود اور رعایا، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں جو مسلمانوں کے لیے قوت کا سرچشمہ اور سرمایہ افتخار ہے۔ اس طرح اس سے خواہشاتِ نفس کا قلع قمع بھی ہو جائے گا۔ نظام کی بہتری کا اصل قائدہ بھی یہی ہے۔ داود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

"اے داوٗد ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکومت کر اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں، یقیناً ان کے لیے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے" [۴]

دینِ اسلام کی تعلیمات کو مدِ نظر رکھنا اور اس کی تذکیر و تعمیل اللہ کی راہ سے نہ بھٹکنے میں انسانوں کے لیے مد و معاون ہیں۔ اس کے طے شدہ اخلاق پر کاربند رہنے میں اجتماعی فلاح و بہبود[۵] کا راز مضمر ہے۔

"اسلام خیر خواہی کا دین ہے" یہ جملہ دہراتے دہراتے ہم مسلمان تھکتے نہیں لیکن خود قیادت کو اس کا عملی نمونہ بننا کس قدر اہم ہے؟ اس کا اندازہ اس آیت سے لگایا جائے، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہود کو تنبیہ فرمائی تھی:

---

(۱) إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (سورۃ البقرہ:۳۰)

(۲) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۱۴۸

(۳) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو (سورۃ ال عمران:۱۰۳)

(۴) سورۃ ص:۲۶

(۵) سورۃ اٰل عمران:۱۳۹

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ﴾[1]
کیاتم دوسروں کو نیکی کا حکم کرتے ہو، مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیاتم عقل سے بالکل کام نہیں لیتے؟

اس معمہ کے حل کا تقاضا ہے کہ قیادت اسلام کی تعلیمات کا عملی نمونہ بن جائے تو سوسائٹی سے اس کے نفاذ کا مطالبہ آسان ہو جاتا ہے۔ قول و فعل کے تضاد سے بچنے کے لیے اللہ تعالی نے حضرت شعیب علیہ السلام کے طرزِ عمل کا حوالہ دے کر فرمایا کہ میں اس چیز کی طرف کیسے جھک سکتا ہوں جس سے تم کو روک رہا ہوں[2] اور قرآن مجید میں ہم کو اس تضاد سے بچنے کا حکم ہے:

﴿ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ [3] اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس طرزِ عمل کا ثبوت دیا، جو ایک قائد کے لیے نمونہ عمل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو فرمانے لگے:

"تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں، لیکن اگر مجھ سے کوئی ایسا کام سرزد ہو، جس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں "[4]

دنیا کی تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین سے بہتر حکمرانی کسی نے نہیں کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء احکامات الٰہی کے سب سے زیادہ پاسدار تھے، اور یہی رعایا کی خیر خواہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ (قال ثلاثاً) قَالُوا: لِمَنْ؟ قَالَ:« لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَامَّتِهِمْ »[5]

دین میں خیر خواہی ہے، یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دہرائی صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کس کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے اس کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے قیادت اور عام رعایا کے لیے یہ خیر خواہی ہے۔

جب اسلامی قیادت نے دین کے احکامات کو حرزِ جان بنایا تو رعایا نے بھی اس کو اپنانے میں دیر نہیں کی اور

---

(۱) سورۃ البقرہ:۴۴
(۲) سورۃ ہود:۸۸
(۳) سورۃ الصف:۳
(۴) ازدی، معمر بن راشد، الجامع، بَابُ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۱۱/۳۳۶، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، خطبہ ابو بکر، ۲/۶۶۱، محمد حسین ہیکل، حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، ترجمہ: انجم سلطان شہباز، بک کارنر شوروم، بک سٹریٹ جہلم، ص:۱۰۰
(۵) احمد بن حنبل، مسند، تحقیق: شعیب الأرنؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ، طبع اول: ۲۰۰۱ء، ۲۸/ ۱۳۸

یوں بہترین حکمرانی ممکن ہوئی۔ لہٰذا قیادت کے لیے بہترین اصول یہ ہے کہ نظام اسلام کو ممکن العمل بنانے کی کوششیں کرے۔

اصول نمبر ۲ : خدا خوفی

دنیا کے لیے حکمرانی کا بہترین اور قابلِ تقلید نمونہ خلافتِ راشدہ ہے ۔ حکمران اوّل حضرت محمد ﷺ ہیں جو ایک برگزیدہ نبی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک درویش حکمران بھی ہیں۔ وہ کس قدر اللہ سے ڈرنے والے تھے؟

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"خولہ بنت حکیم جو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاس پراگندہ حالت میں آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ تو اس نے جواب دیا میرا شوہر قائم اللیل اور صائم النہار آدمی ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو آپ ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا۔ پھر آپ ﷺ ابن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا:

« إِنَّ الرَّهْبَانِيَّةَ لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْنَا ، أَفَمَا لَكَ فِيَّ أُسْوَةٌ، فَوَ اللَّهِ إِنِّي أَخْشَاكُمْ لِلَّهِ، وَأَحْفَظُكُمْ لِحُدُودِهِ »(١)

"ابن مظعون! ہمارے اوپر رہبانیت فرض نہیں ہے۔ کیا آپ کے لیے میری اسوہ کافی نہیں ہے؟ قسم بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالی سے ڈرتا ہوں اور اللہ کے حدود کا زیادہ محافظ ہوں"

رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ریاست کی ذمہ داری سنبھالی اور قیادت وحکمرانی کی اس طرز کو اپنایا، جو رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا تھا۔ خدا خوفی کی یہ حالت تھی کہ ریاست کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ گھریلو مصارف اٹھانے کے لیے اپنے تجارتی پیشے کو بھی چلاتے رہے تاکہ ریاست پر اضافی بوجھ نہ پڑے، جو ان کے پاس مسلمانوں کی امانت تھی، لیکن دیگر صحابہ کرام کے اصرار پر اس کام کو ترک کیا اور ہمہ جہت ریاستی امور کو توجہ دی اور حد سے بڑھ کر رعایا کی خدمت سرانجام دی۔

اس کے بعد خلیفہ دوم کا زمانہ آیا، جن کی خلافت دنیا کے لیے مثالی نمونہ ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک نے اس ماڈل کے بیشتر پروگرام اور نظام کو اپنایا بھی ہے۔ اسلام کے احکامات پر عمل اور مخلوق کی خدمت میں آپ رضی اللہ عنہ کی خدا خوفی کی حالت یہ تھی کہ راتوں کو رعایا کی خیر گیری کے لیے گشت فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے کہ اگر دجلہ کے دور دراز علاقے میں بھی کسی خچر کو راہ چلتے ٹھوکر لگ گئی تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ تعالی مجھ سے یہ سوال نہ کرے، اے عمر رضی اللہ عنہ تو نے وہ راستہ درست کیوں نہیں کیا؟ اور اگر فرات کے کنارے بھیڑ کا کوئی بچہ گم ہو کر ہلاک ہو جائے تو عمر رضی اللہ عنہ کو خدشہ ہے کہ اللہ اس سے پوچھے گا۔(٢)

---

(١) صنعانی، عبد الرزاق بن ہمام، مُصَنَّف، تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع دوم، ٧/ ٨٧

(٢) خَلَّال، ابو بکر احمد بن محمد، السنۃ، تحقیق: د عطیہ الزہرانی، دار الرایۃ، ریاض، طبع اول: ١٩٨٩ء، ٢/ ٣١٧

خلیفہ ثالث عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خدا خوفی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے شہادت کو قبول کیا لیکن کسی پر اس خوف سے تلوار نہیں اٹھائی کہ ایسے لوگوں کو میں کیونکر قتل کر سکتا ہوں جنھوں نے مجھے قتل نہیں کیا ہے کہ ایسا کرنا ان کو بے گناہی میں قتل کرنے کے مترادف ہیں۔ رعایا پر حد درجہ مہربان اور ان کے خیر گیر تھے۔ عزیز و اقارب پر جیب سے خرچ کرنے والے تھے۔

اسی طرح خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنے خدا خوف تھے کہ انہوں نے خوارج جیسے شدت پسندوں سے مذاکرات کو تلوار پر ترجیح دی۔

علاوہ ازیں اسلامی ریاست کے گورنر جہاں جہاں مقرر تھے، اس فکر کے ساتھ رعایا کی خدمت میں مصروفِ عمل رہتے تھے کہ کہیں مخلوق کی خدمت میں کوتاہی کے مرتکب نہ ٹھہریں، جس کی پاسداری کا عہد وہ ریاست کے ساتھ کر چکے ہیں۔ اس خدا خوفی کا نتیجہ تھا کہ رعایا مطمئن اور اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شاملِ حال رہتی، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾(۱)

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو وہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا، جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے اس کے لئے وہ کافی ہے۔

اصول نمبر ۳: اصول پسندی

قیادت کی اصول پسندی ریاستی نظم وضبط، استحکام اور قیادت و رعایا کے مابین بہتر تعلقات کے لیے کے لیے ناگزیر ہے۔ اصول پسندی عقیدہ توحید کا لازمی نتیجہ ہے کہ جس نے ہمیں اصولوں کا پابند بنایا ہے۔ اصول کی پاسداری سے ریاست میں رعایا کے اندر ہم آہنگی و ہم رکابی پیدا ہوتی ہے اور امن وسلامتی میں استحکام بھی رہتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں۔

اللہ اور رسول کی اطاعت کے نتیجے میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر قیادت خود پابندِ قانون

---

(۱) سورۃ الطلاق:۲-۳

(۲) سورۃالنساء:۵۹

ہے تو آمر و مامور کا تعلق بہتر ہو گا اور فرمان برداری کا جذبہ Grass root level تک کار فرما رہے گا، لیکن یہ سب کچھ جذبہ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول اللہ ﷺ میں مضمر ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى المَرْءِ المُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ»[۱]

ایک مسلمان پر سمع وطاعت لازم ہے خواہ برضا و رغبت ہو یا بکراہت، تاوقتیکہ اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، پھر جب اس کو معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ طاعت۔

ایک ایسی ریاست جہاں اللہ کے دین کا دور دورہ ہو، تو ریاست میں آمر اور مامور سب گویا اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ﴾[۲]

کون ہے اللہ کی راہ میں میرا مددگار؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

یہ مدد اس معنی میں نہیں کہ گویا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کوئی ضرورت پوری کرتے ہیں، جس کے لیے وہ ان کی مدد کا محتاج ہے، بلکہ یہ اتنا عظیم کام ہے جس میں یہ لوگ حصہ لیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اپنی قوتِ قاہرہ کے ذریعے سے کرنے کے بجائے اپنے انبیاء علیہم السلام اور کتابوں کے ذریعہ سے کرنا چاہتا ہے[۳] گویا مخلص قیادت اللہ تعالیٰ کے دین کے معین و مددگار ہوتی ہیں۔ ایسی ہی قیادت اجتماعیت اور نظم وضبط کو برقرار رکھ کر ریاست کو شاہراہِ ترقی پر گامزن کر سکتی ہے۔ ایک طرف ان پر اللہ کے رحمت کا سایہ[۴] ہو گا اور دوسری طرف پوری قوم اس کے ساتھ دیتی ہے، جہاں امارت کا کوئی جھگڑا نہیں ہو گا۔ آپ ﷺ نے اس ضمن میں فرمایا ہے:

« أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ »[۵]

اہل قیادت سے امارت واپس نہیں لیا جائے گا۔

کیونکہ لالچی، اصول پامال اور نا اہل قیادت بہادری اور قربانی کے جذبوں سے سرشار قوم کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کرتی ہے اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اہداف کا تعین، اصولوں کی پابندی اور مخلص قیادت آج مسلم ریاستوں کی اہم ضرورت اور عصرِ حاضر کا تقاضا ہے۔

---

(۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، بابُ السمع وَالطاعة للامام، حدیث نمبر:۷۱۴۴، ترقیم: محمد فؤاد عبد الباقی، دار الشعب، قاہرہ، طبع اول

(۲) سورۃ آل عمران:۵۲

(۳) تفہیم القرآن، ۵/ ۴۸۰

(۴) حمید بن مخلد ابن زنجویہ، الاموال، حدیث نمبر:۸۱۵، تحقیق: الدکتور شاکر ذیب فیاض، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، السعودیۃ، ۱۹۸۶ء

(۵) صحیح بخاری، کتابُ بدءالوحی، حدیث نمبر:۷۰۵۶

اصول نمبر ۴: خود غرضی سے اجتناب

اسلامی تعلیمات میں بطورِ خاص قیادت کو خود غرضی سے اجتناب برتنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اس روش سے وہ ساری کاوشیں بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں، جو ریاست اور رعایا کی بہتری کے لیے بروئے کار لائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے قیادت کے لیے تحائف کا لینا ممنوع قرار دیا ہے، جو بالآخر لالچ اور رشوت کا دروازہ کھول دیتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کیا حال ہے اس عامل کا جس کو میں مقرر کرتا ہوں پھر وہ کہتا ہے یہ تمہارا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا۔ وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتے کہ اس کو ہدیہ ملتا یا نہیں"۔

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَأْتِي أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْهَا بِشَيْءٍ إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ، إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ، أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَةَ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ»[1]

قسم بخدا کوئی تم سے ایسا مال نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنے گردن پر لاد کر اس کو لائے گا۔ اونٹ ہو گا تو وہ بڑبڑاتا ہو گا۔ گائے ہو گی تو وہ چلاتی ہو گی۔ بکری ہو گی تو وہ میں میں کرتی ہو گی، پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی ہم کو نظر آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔

اس حدیث کی شرح میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے واضح ہے کہ عمال حکومت اور دیگر آفسرانِ حکومت اور اہم شخصیات کے لیے ہدایا قبول کرنا جائز نہیں۔ حقیقتاً یہ ہدیہ کی صورت میں رشوت ہے۔ اور ہدیے عمال پر اس لیے حرام ہیں کہ حکومت کے حقوق، امت کے اموال اور افراد کے حقوق کو ان کے فضول خرچیوں سے بچایا جائے۔ تا کہ وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے کسی کا حق دوسرے کو نہ دیں۔ اور یوں ہدیے والے کو خصیم کا مال حوالہ نہ کریں"

"ولولا طمع المهديين في الظفر بحق خصومهم أو بحق من حقوق الدولة ما بذلوا تلك الهدايا ولهذا حرمت الرشا والهدايا على أصحاب الحكم والنفوذ"[2]

اگر ہدایا دینے والے کو اپنے مدِ مقابل کے حق، یا حکومت کے حق میں سے کچھ حقوق کے حصول کا طمع اور لالچ نہ ہوتی تو وہ یہ ہدیے نہ دیتا۔ اس وجہ سے اولی الامر اور بااثر حضرات کے لیے رشوت اور ہدیے حرام کر دیے گئے ہیں۔

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۳۵۹۸، ۳۹/۷

(۲) شافعی، امام محمد بن ادریس، مسند، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۵۱ء، ۱/ ۲۴۶

لہذا اسلامی ریاست کی قیادت حدیث کے مطابق راعی ہیں، جو رعایا کو ان کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ بیرونی و اندرونی دشمنوں سے حفاظت فراہم کرتے ہیں۔ حدیث سے بصراحت ثابت ہے کہ مسلمان عوام کے حقوق کا تحفظ اسلامی ریاست کی مخلص قیادت کے بغیر ممکن نہیں ہے، (۱) جو رعایا کے لیے اللہ کے رحمت کا سایہ اور ڈھال ہے (۲) لیکن اگر وہ خود غرض اور لالچی بن جائے تو ریاست اور رعایا کا وجود اور تحفظ خطرے میں پڑ جاتا ہے اور بیرونی دشمنوں کے ریشہ دوانیوں سے تحفظ فراہم نہیں کیا جا سکتا،، جیسا کہ آج اکثر اسلامی ریاستوں کی حالت ہے۔ اس لالچ اور خود غرضی کا دروازہ بند کرتے ہوئے آپ ﷺ نے عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«لاَ تَسْأَلِ الإِمَارَةَ، فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا، وَإِنْ أُوتِيتَهَامِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَ» (۳)

امارت کو طلب نہ کرو۔ اگر درخواست پر تجھے سرداری مل گئی، تو اسی کے حوالے کر دیے جاؤ گے۔ اور اگر وہ بن مانگے دی گئی تو اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے (اللہ کی طرف سے) تیری مدد کی جائے گی۔

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"جو شخص سیاسی قائد ہو اور اپنی ذاتی اغراض اور مفاد کے لیے حکومت کرتا ہو تو اس کے نتیجے میں خرابی پیدا ہو گی اور آخر کار یہ حکمران خود بھی تباہ ہو جائے گا، لیکن جو حکمران اور سیاسی لیڈر شریعت حقہ کا پابند ہو تو مصالح اور بھلائیاں پھیلیں گی اور ریاست کا نظام احسن طریقے سے چلتا رہے گا" (۴)

لہذا خود غرض لوگوں کو قیادت سے دور رکھنا چاہئے تاکہ ریاست کی ناکامی پر ندامت کے آنسو بہانے اور پچھتاوے سے بچ جائیں، جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں راہنمائی فرمائی ہے:

«إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الإِمَارَةِ، وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ القِيَامَةِ» (۵)

عنقریب تم میں امارت کی حرص پیدا ہو گی، لیکن وہ قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی۔

عبد الغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ تشریح میں لکھتے ہیں:

"انسان منصب کے عہدے پر براجماں ہو کر خوب مزے لوٹتا ہے، لیکن جب موت یا معزولی کی وجہ سے یہ منصب چھینا جاتا ہے تو پھر ان لذتوں اور مسرتوں کی یاد حسرت و اندوہ کی شکل میں اس کو ستاتی ہے" (۶)

(۱) مولانا گوہر رحمان، اسلامی سیاست، ادارہ تفہیم القرآن مردان، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۲۴
(۲) الاموال، بَابٌ: فِي وجُوبِ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ عَلَى الرَّعِيَّةِ وَمَا فِي مُنَازَعَتِهِمْ، وَالطَّعْنِ عَلَيْهِمْ، حدیث نمبر: ۳۲، ۱/ ۷۷
(۳) صحیح بخاری، كِتَابُ الأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ، حدیث نمبر: ۶۶۲۲
(۴) رازی، محمد بن عمر، التفسیر الکبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۶/ ۱۹۹
(۵) البانی، محمد ناصر الدین، مُخْتَصَرُ صَحِيحُ بُخَارِي، باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ، مکتبہ معارف، ریاض، ۲۰۰۲ء، ۴/ ۲۸۵
(۶) عمرپوری، عبد الغفار حسن، انتخاب حدیث، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۰۷

اصول نمبر ۵ : عدل ومساوات کی پاسداری

نظم وضبط کو برقرار رکھنا ہو یا معاشرہ میں استقرار واستحکام، ان سب کا عدل وانصاف اور مساوات سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ جہاں عدل وانصاف اور مساوات پر توجہ دی جاتی ہے، تو معاشرے میں نظم وضبط قائم رہنے میں آسانی رہتی ہے، جو حکومت کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس لیے اسلام میں "عدل واحسان" [۱] پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اس کو معاشرے کا ایک اہم ستون اور اخلاقی وصف قرار دیا ہے۔ جس سے معاشرہ امن وسلامتی کا گہوارہ بنتا ہے۔ اس کے لیے اہل ایمان کو عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم ہے، خواہ جانی دشمن سے معاملہ کیوں نہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے :

> " اے ایمان والو ! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ عدل چھوڑ دو۔ عدل کیا کرو کہ یہ تقویٰ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو " [۲]

لہٰذا قیادت اس سلسلے میں بالکل کوتاہی نہ کرے تاکہ امن وسلامتی کو برقرار رکھا جاسکے۔ یہ اس قدر ضروری امر ہے کہ اسلام میں باپ کا بدلہ بیٹے سے لینے کی بھی گنجائش نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

> «اَلَا لَایُجْنیٰ وَالِد عَلیٰ وَلَدِہ» [۳] خبردار باپ کا بدلہ بیٹے سے نہ لیا جائے۔

عدل وانصاف اور مساوات معاشرے کی اجتماعی ضرورت ہیں۔ جو اس عظیم خدمت کو سرانجام دیتا ہے، نبی کریم ﷺ نے اسے عظیم الشان خوشخبری سنائی ہے:

> «اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عَلیٰ مَنَابِرَ مِنْ نُّوْرٍ عَلیٰ یَمِیْنَیْنِ الرَّحْمٰنُ الَّذِیْنَ یَعْدِلُوْنَ فِي حُکْمِهِمْ» [۴]
>
> عدل وانصاف کرنے والے لوگ اللہ کے نزدیک دائیں جانب نور کے منددوں پر بیٹھے ہونگے (کیونکہ) وہ فیصلوں میں انصاف سے کام لیا کرتے تھے۔

قیادت کے دائرہ کار کو بیان کرتے ہوئے امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

> "امام عادل سے مراد وہ ذمہ دارانِ حکومت اور سربراہان ریاست ہیں جن کو مسلمانوں کے مصالح اور بہبود کے کام سپرد کئے گئے ہوں۔ امام عادل کا جو رتبہ ہے اس آدمی کو بھی ملے گا جو مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار بنایا گیا ہو اور عدل وانصاف کے ساتھ کام کرتا ہو" [۵]

---

(۱) سورۃ النحل: ۹۰
(۲) سورۃ المائدہ:۸
(۳) دار قطنی، علی بن عمر، السنن، کتاب البیوع، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۳/ ۴۵
(۴) نسائی، احمد بن شعیب، سنن، حدیث نمبر: ۵۳۸۱، دار السلام، ریاض، ۱۹۹۹ء
(۵) ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ۲/ ۱۴۴

انصاف کرنے والوں سے اللہ تعالی نے اپنی محبت کا اظہار اس لیے فرمایا ہے کہ ان کی اس عمل سے نہ صرف مخلوق خدا کے حقوق کی پاسداری ہوتی ہے بلکہ نظم وضبط کا قیام بھی عمل میں آتا ہے۔لہذا ایسی ریاست کا قیام اسلام کی نظر میں ایک جہادِ عظیم ہے۔اس کی خاطر تمام اداروں کو اپنی قابلیتیں، صبر ازما کوششیں اور غورو فکر کی تمام صلاحیتیں بروئے کار لانی چاہیۓ تاکہ انسانوں کو ان کے حقوق دلائے جاسکے۔عدل وانصاف اور مساوات اس قدر اہم معاشرتی عمل ہے کہ اس کی تاکید بائبل میں بھی آئی ہے:

> "خداوند تمہارے خدا کے تمہیں دیے ہوئے ہر شہر میں اپنے ہر قبیلے کے لیے قاضی اور حاکم مقرر کرلو جو سچائی سے لوگوں کا انصاف کریں۔تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانبدار رہنا، تم رشوت نہ لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور راست بازوں کی باتوں کو توڑ مروڑ ڈالتی ہے۔ہمیشہ ہمیشہ انصاف پر قائم رہنا تاکہ تم جیتے رہو" (۱)

ایک دوسری جگہ ذکر ہے:

> "تم خدا کا کلام سنو! خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی کے کام کرو، مظلوم کو اس پر ظلم کرنے والے کے ہاتھ سے چھڑاو، بیگانہ، یتیم اور بیوہ کے ساتھ برا سلوک نہ کرو" (۲)

رہبر انسانیت محمدِ مصطفیٰ ﷺ نے اس وقت مساوات کا درس دیا، جس وقت انسانیت لفظ مساوات سے ناآشنا ہو چکی تھی، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

> "سوائے تقویٰ کے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں" (۳)

اسلام نے مصنوعی امتیازات کو مٹایا اور فطری و عملی مساوات کو نافذ کیا اور اس کا حصول بھی ممکن بنایا۔ایسے نہیں جن کے لیے انسانوں کی آزادی سلب کرلی جائے۔اس لیے تمام الہامی مذاہب میں اس کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔

انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ عدل ومساوات کی عملی صورت اس وقت ظاہر ہوئی، جس وقت آقائے دوجہاں ﷺ نے امیر و فقیر، غلام و آقا کے درمیان سارے امتیازات کو مٹایا۔جس کی ترجمانی اقبال نے ان الفاظ میں کی ہے:

---

(۱) استثناء۱۶ :۱۸-۲۰ ، بائبل، پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، ۲۰۰۷ء
(۲) یسعیاہ؛۲۲: ۲-۳
(۳) مسند احمد، ۵/ ۱۴۴

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز — نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے [۱]

اسلام نے اس قدر مساوات کا اہتمام کیا کہ غلاموں کا درجہ بلند کر کے ان کے حقوق کو ریاست کے ہر فرد بشمول خلیفہ کے برابر کر دیا۔ اس قانونی مساوات کی تاکید آقائے دو جہاں ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

«مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ وَمَنْ اَخْصىٰ عَبْدَهُ اَخْصَيْنَاهُ» [۲]

جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے، جو اس کی ناک تراشے گا اس کی ناک تراش لی جائی گی اور جو اس کو خصی کرے گا، ہم اسے خصی کریں گے۔

اسلامی شریعت کی نظر میں تمام لوگ برابر اور مساوی ہیں اور سب کے ساتھ برابری کے سلوک کا حکم ہے، کیونکہ اس کو نظر انداز کرنے سے ظلم کی راہیں کھلتی ہیں، جو اسلام بند کرنا چاہتا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمیں یہی بتاتا اور سکھاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے امتیں اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ کم تر درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور بر تر کو چھوڑ دیتے تھے۔

« وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا» [۳]

خدا کی قسم! اگر فاطمہ (بنت محمد ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹتا۔

اصول نمبر ۶ : گروہی، قومی، اور قبائلی عصبیت سے اجتناب

ریاستی قیادت کو عصبیت کی تمام اقسام سے پاک ہونا ضروری ہے، البتہ اسلامی و قومی غیرت و حمیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو کیونکہ اسلام وحدت و اخوت کو فروغ دیتا ہے اور تفریق کے ایسے سلوگن اور نعرے جس سے عصبیت اور رنگ و نسل کی بدبو آتی ہو، کی نفی کرتا ہے۔ اس کو کلمہ خبیثہ اور منتنہ قرار دیتا ہے۔ ایک موقعہ پر انصار و مہاجرین کے درمیان ایسی کیفیت پیدا ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ» وفي رواية «دَعُوهَا فَإِنَّهَا خَبِيثَةٌ» [۴]

یہ بدبودار اور خبیث کلمہ ہے اسے چھوڑو۔

---

(۱) علامہ محمد اقبال، بانگِ درا، شکوہ، رابعہ بک ہاوس، کریم مارکیٹ، لاہور، ص: ۱۴۹

(۲) ترمذی، محمد بن عیسی، سنن، اَبْوَابُ الدِّيَاتِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَقْتُلُ عَبْدَهُ، حدیث نمبر: ۱۴۱۴، تحقیق: احمد محمد شاکر، شرکہ مکتبہ و مطبعہ مصطفى البابي الحلبي، مصر، طبع دوم: ۱۹۷۵ء، ۴/ ۲۶

(۳) صحیح مسلم، بَاب قَطْعِ السَّارِقِ الشَّرِيفِ وَغَيْرِهِ وَالنَّهْيِ عَنْ الشَّفَاعَةِ فِي الْحُدُودِ، حدیث نمبر: ۳۱۶۹، دار الجیل، بیروت

(۴) صحیح بخاري، بَابُ مَا يُنْهَى مِنْ دَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ، حدیث نمبر: ۴۹۰۵

اسلامی ریاست اجتماعیت کا مظہر اوراس کی قیادت وحدت کی علامت ہے۔ ان کے لئے عصبیت اور رنگ و نسل کے تفریق کے بتوں کو کسی قیمت پر اپنے معاشرے میں پنپنے نہیں دینا چاہئے۔ اقبال نے خوب کہا ہے:

تمیز رنگ وبو برما حرام است　　　که ما پرورده یک نوبهاریم [(۱)]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　　نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی [(۲)]

بلکہ اسلامی ریاست کی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ تعصب کے ان بتوں کو پاش پاش کریں اور اسلامی اخوت کو فروغ دیں۔ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔ اللہ تعالی کا حکم ہے کہ دین اسلام کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لیں۔ [(۳)]

موجودہ حالات میں اسلامی ریاستیں گروہی، شخصی، قبائلی، مسلکی اور رنگ و نسل کی عصبیت اوران جیسی دیگر سرگرمیوں کی قطعاً متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کی سرگرمیاں ریاست کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں اور امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ دینِ اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے، عصبیت کے لیے لڑے اور عصبیت کے نظریے پر مرے " [(۴)]

اصول نمبر۷ : امانت و دیانت کا حامل

فریب کاری و بد دیانتی سے اجتناب اس لیے ضروری ہے کہ یہ صفات نہ صرف ایک فرد کی ساکھ کو متاثر کر دیتی ہیں، بلکہ پوری ریاست اور ملت کو بد دیانت اور خائن بنا دیتی ہیں۔ خاص کر جب ریاست کا سربراہ اور کلیدی عہدے دار بد دیانت اور خائن ہو۔ اسلامی ریاست کے تمام قیادت کو امانت دیانت کی صفات سے مزین ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ریاستی عہدوں اور اہم ذمہ داریاں اہل اور امانت دار افراد کو سپرد کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ [(۵)]

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو۔

عوام الناس میں نظم وضبط کے قیام اور ریاست میں انتظامی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اہلیت کو مد نظر رکھا جائے اور امین افرادِ کار کو اہم ذمہ داریاں دی جائیں، تاکہ مفاد عامہ میں بہتری لائی جاسکے۔ اقبال نے کہا تھا:

---

(۱) ماہنامہ، ترجمان القرآن، نومبر ۲۰۱۴، ص:۷۶

(۲) بانگ درا، ص:۲۹۰

(۳) سورۃ آل عمران :۱۰۳

(۴) بیہقی، احمد بن الحسین، الآداب، تعلیق: السعید المندوہ، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، طبع اول: ۱۹۸۸ء، ۱/ ۶۹

(۵) سورۃ النساء:۵۸

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا[۱]

امانت و دیانت آج ہماری ریاست کا بہت بڑا مسئلہ ہے۔ نااہلی اور بد دیانتی کی وجہ سے نہ صرف افرادی قوت اور سرمایہ کا ضیاع ہو رہا ہے بلکہ ملک و قوم اجتماعی تباہی سے دوچار ہے۔ قیامت کی رسوائی اس کے علاوہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ " ایک روز رسول اللہ ﷺ ہم کو نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور مالِ غنیمت میں چوری کرنے کو بڑا گناہ قرار دیا، پھر فرمایا: قیامت کے دن میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ آئے اور اس کی گردن پر ایک اونٹ بڑبڑا رہا ہو۔ وہ کہے یا رسول اللہ ﷺ ! میری مدد کیجیے، میں کہوں گا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر ایک بکری لیے ہوئے ہو، جو میں میں کر رہی ہو اور کہے: یا رسول اللہ ﷺ ! میری مدد کیجیے، میں کہوں گا مجھے کچھ اختیار نہیں ہے۔ میں نے تجھے اللہ تعالی کا حکم پہنچا دیا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اپنی گردن پر کوئی جان لیے ہوے، جو چلاّ رہی ہو، پھر کہے: یا رسول اللہ ﷺ ! میری مدد کیجیے۔ میں کہوں گا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے، میں نے تجھے اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آے اپنی گردن پر کپڑے لیے ہوے، جو اوڑھے ہوں یا چندیاں کاغذ کی جو اڑ رہی ہوں یا اور چیزیں جو ہل رہی ہوں، پھر کہے: یا رسول اللہ ﷺ ! میری مدد کیجیے

«فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَغِثْنِي فَأَقُولُ لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ» [۲]

میں کہوں مجھے کوئی اختیار نہیں ہے میں تجھے خبر کر چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اپنی گردن پر سونا چاندی وغیرہ لیے ہوئے اور کہے: یا رسول اللہ ﷺ ! میری مدد کیجیے۔ میں کہوں گا مجھے کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تجھے خبر کر چکا تھا۔

رعایا کا حق ضائع کرنا بد دیانتی ہے اور اس قدر خطرناک معاملہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے، جس پر کسی کا قرض ہوتا تھا، چہ جائے کہ کوئی اجتماعی (ریاست اور عوام کے ساتھ) بد دیانتی کا مرتکب ہوا ہو جو اس کے لیے جنت سے محرومی کا سبب بنے ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ، وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» [۳]

جس بندے کو اللہ حکمرانی دے اور وہ اس میں خیانت کر کے جب مرے گا، اللہ تعالی اس پر جنت حرام کرے گا۔

---

(۱) بانگِ درا، ص:۲۹۰

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۸۳۹، ۱۴۶۱/۳

(۳) طیالسی، سلیمان بن داود، مسند، حدیث نمبر: ۹۷۱، تحقیق: د. محمد عبد المحسن ترکی، دار ہجر، مصر، طبع اول: ۱۹۹۹ء

قوم و ملک کو کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے امین و صادق قیادت ہونی چاہئے کیونکہ یہ صفات انسان کو ہر دلعزیز بنا دیتی ہیں، جن پر لوگ اعتبار کرتے ہیں۔ یہی ہمارے نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کی زندگی کا اثاثہ تھا۔ جو آخرت میں سرخروئی کا سبب بھی ہے۔ ان صفات کو شعار بنالینا اس قدر اہم ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَغُرَّنَّ صَلَاةُ امْرِئٍ، وَلَا صِيَامُهُ، مَنْ شَاءَ صَامَ، وَمَنْ شَاءَ صَلَّى، وَلَكِنْ لَا دِينَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ»(۱)

کسی کی نماز، روزہ سے دھوکہ نہ کھاؤ، جو چاہے روزہ رکھیں، نماز پڑھے، لیکن اس شخص کا دین ہی نہیں جو امانت دار نہیں۔

قیادت امانت و دیانت کی صفات سے متصف ہو تو رعایا سے اس کی وفاداری کی توقع کی جاسکتی ہے۔ بین الاقوامی طور پر اسلامی ریاست کے وقار قائم رکھنے کے لیے بھی مفید ہے۔ امانت کے وسیع تصور کو سامنے رکھتے ہوئے ہر قسم کے وسائل ہمارے پاس امانت ہیں۔ قائد کے پاس انسانی، مالی اور مادی تمام وسائل امانت ہیں۔ اسی طرح اختیارات بھی امانت ہیں۔ چنانچہ قیادت کا اجلا پن اس میں ہے کہ وہ انسانی وسائل کا درست استعمال کرے۔ اپنے پیچھے چلنے والوں کی فکر کرے۔ مالی لحاظ سے سادگی اور میانہ روی کا مظاہرہ کرے۔ مالی معاملات میں شفافیت کو برقرار رکھے اور اسی طرح ذاتی، تنظیمی اور ریاستی حوالے سے مادی وسائل کے استعمال میں فرق ملحوظ رکھے۔ یہ سب اعلیٰ اوصاف اور بہترین قدریں ہیں اور دین میں مطلوب بھی ہیں (۲)

اصول نمبر ۸ : ملنساری اور شگفتہ مزاجی

ملنساری اور شگفتہ مزاجی اسلامی اخلاقیات اور مومن کی صفات میں سے ہیں۔ تاہم یہ صفات ایک قائد میں اس لیے لازمی ہیں کہ رعایا کو اس سے انس اور محبت ہو اور یوں تعاون و تناصر سے پورا معاشرہ بنیانِ مرصوص (۳) بن جائے۔ آپ ﷺ نے مومن کو شگفتہ مزاج اور محبت والفت کا محور قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ، وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ، وَلَا يُؤْلَفُ»(۴)

مومن محبت و الفت کی جگہ ہے اور اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو الفت رکھتا ہے اور نہ اس سے کوئی محبت کرتا ہے۔

نبی کریم نہ صرف ایک رسول تھے بلکہ آپ ﷺ ایک حکمران بھی تھے۔ آپ کس قدر خوش مزاج تھے۔ ایک صحابی عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

---

(۱) جامع معمر بن راشد، حدیث نمبر: ۲۰۱۹۲، ۱۱/ ۱۵۷
(۲) ماہنامہ ترجمان القرآن، ارشد احمد بیگ، نومبر ۲۰۱۴ء، ص: ۵۹
(۳) سورۃ الصف: ۴
(۴) مسند احمد، ۱۵/ ۱۰۶

«مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ »(۱)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو تبسم فرمانے والا نہیں دیکھا۔

راست گفتاری، رزق کی پاکیزگی اور خوش خلقی مومن کا عظیم سرمایہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں تمہیں میسر ہوں تو دنیا کی کسی چیز سے محرومی تمہارے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔۔۔ ان میں سے ایک خوش خلقی ہے (۲)

خوش خلقی اور خندہ پیشانی معروفات میں سے ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے صدقہ قرار دیا ہے، فرمایا:

« كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ،وَمِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ »(۳)

ہر معروف صدقہ ہے، اور اپنی بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی ایک صدقہ ہے۔

لہذا اسلامی ریاست کے لیڈر شپ کو ایسے صفات سے مزین ہونا چاہیے جو اسے ہر دلعزیز بنادیں۔

اصول نمبر ۹ : نرمی برتنا، خیر خواہی چاہنا اور دھوکہ دہی سے پرہیز کرنا

نرم خوئی اور خیر خواہی وہ صفات ہیں جو قیادت اور رعایا دونوں کے مابین اچھے تعلقات استوار کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ آپ ﷺ نے رعایا پر بے جا سختی سے منع کیا اور ان سے سختی برتنے والوں کے لیے جہنم کی وعید اور نرمی کرنے والوں کے لیے دعائے خیر فرمائی ہے:

«اللهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ، فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ»(۴)

اے اللہ جس شخص کو میرے امت کی ذمہ داریوں میں سے کوئی ذمہ داری دے دیں اور وہ ان پر سختی کریں تو بھی ان پر سخت ہو جا اور جو ان داریوں میں سے کوئی ذمہ داری لے لیں اور پھر ان سے نرمی کا معاملہ کر لیں تو بھی ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمالیں۔

نرم خوئی سے محرومی کو آپ ﷺ نے خیر سے محرومی قرار دیا ہے :

«مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ»(۵)

جو انسان نرم خوئی سے محروم ہوا وہ خیر سے محروم ہے۔

اسی طرح اسلامی ریاست کی قیادت کو رعایا کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ اور رویہ برتنا بھی خیر کا باعث ہوتا ہے۔ اس جذبہ سے محروم قیادت قیامت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے گی۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) عبد اللہ بن مبارک، الزھد والرقائق، تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱/ ۴۷

(۲) عبد اللہ بن وہب، الجامع فی الحدیث، تحقیق: د مصطفی حسن، دار ابن الجوزی، ریاض، ۱۹۹۵ء، ۱/ ۶۴۱

(۳) مسند، احمد، ۱۵/ ۱۰۶

(۴) مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، باب فضیلۃ الامام العادل، تحقیق: محمد فؤاد عبد الباقی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۳/ ۱۴۸۵

(۵) صحیح مسلم، باب فضل الرفق، حدیث نمبر: ۴۶۹۴، ۴/ ۲۰۰۳

"جو حاکم مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھال لیں پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کریں، وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں قطعاً داخل نہ ہوں گے" (۱)

ایک اور حدیث میں اپنی رعیت کو دھوکہ دینے والوں کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے:

«مَا مِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ المُسْلِمِينَ، فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهُمْ، إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الجَنَّةَ» (۲)

جو مسلمانوں کا سربراہ بنے، اور اس حال میں مرے کہ وہ ان کو دھوکہ دیتا تھا تو اللہ تعالی اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔

کوئی بھی قائد اپنے کام میں سرخرو ہونے کے لیے رعایا کے اعتماد اور تعاون کا محتاج ہوتا ہے۔ ان کا یہ تعاون ان کے ساتھ نرمی اور خیرخواہی برتنے اوران کے ساتھ دھوکہ دہی سے اجتناب کرنے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ان جیسے اصولوں کا خیال کرنے والی قیادت اپنی قوم کو کامیابی سے ہمکنار اور آخرت میں سرخرو کر سکتی ہے۔

اصول نمبر ۱۰ : شوریٰ کی پاسداری

اجتماعی معاملات میں مشاورت اوراسلام کی جمہوری روح کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عباس مدنی رحمۃ اللہ علیہ شوریٰ کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قائد خواہ کتنا ہی بااختیار ہو، نازک پوزیشن میں مبتلا ہو جاتا ہے، بلکہ بڑے بڑے اہل عقل ودانش اپنی عقل و تدبر اور حکمت و تجربے کے باوجود ان مسائل و مشکلات کے آگے سراسیمہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان مسائل و مشکلات کے بارے میں کوئی موقف اختیار کرنے کے بعد حکمران کو ندامت سے بچانے اور قوم کو بدانجامی سے محفوظ رکھنے کے لیے اسلام میں مشورہ لازم کر دیا گیا ہے" (۳)

شوریٰ کی اس اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ، وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ، وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا» (۴)

جب تمہارے امراء اچھے لوگ ہوں، تمہارے معاشرے کے خوشحال افراد فیاض ہوں، اور تمہارے

---

(۱) ابو نعیم احمد، مسند متخرج علی صحیح مسلم، قال محقق: إسناده حسن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ۱/ ۲۰۹
(۲) صحیح بخاری، بَابُ مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً، حدیث نمبر: ۷۱۵۱، ۹/ ۸۰
(۳) عباس مدنی، ڈاکٹر، جدید نظریات کی شکست اور اسلامی نظام کی ضرورت، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۶۱
(۴) سنن ترمذی، حدیث نمبر: ۲۲۶۶، ۴/ ۵۲۹

معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہوں، تو یقیناً تمہارے لیے زمین کی پشت زمین کی گود سے بہتر ہے۔

اس حدیث میں تین امور کو مسلم معاشرے کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں یہ تینوں اجتماعی امور موجود ہوں تو وہ فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہو گا:

۱۔ خدا ترس قیادت و حکومت ۲۔ فیاض اور غریبوں کے ہمدرد اصحابِ دولت

۳۔ اور تمام اجتماعی معاملات میں مشاورت و جمہوریت کی روح کارفرما ہو[۱]

اسلام میں شوریٰ کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کا حکم دیا ہے۔ نیز عمومی انتظامی معاملات مشورے سے طے کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾[۲]

اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو۔

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾[۳]

اور ان (مسلمانوں) کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے۔

حضرات مفسرین لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو مشورہ لینے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ امت کے لیے شورائیت کی سنت قائم ہو جائے اور آئندہ امت آمریت کے راستے پر نہ چلے۔ شوریٰ کے شرعی قاعدے پر سختی کے ساتھ قائم رہے اور آپ ﷺ کی سنت کو نمونہ عمل بنائیں۔ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آپ ﷺ کو ان کے مشورے کی حاجت نہیں لیکن اس نے چاہا کہ آنے والوں کے لیے یہ سنت رہے "[۴]

مولانا گوہر رحمانؒ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" خلفائے راشدین، صحابہ اور تبع تابعین کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ اجتماعی امور میں ذاتی رائے کی بجائے شوریٰ کی رائے کو ترجیح دیتے تھے۔۔۔ اور خلافت راشدہ کے دور میں امناء اور اہلِ علم کی مجلسِ شوریٰ موجود تھی "[۵]

دینی امور میں حکمران پر اہلِ علم سے مشورہ لینا واجب ہے۔ جنگی امور میں ماہرین جنگ سے، عوام کی بہبود کے کاموں میں عوامی نمائندوں سے اور ملکی مصالح یعنی تعمیر و ترقی کے کاموں میں سیکٹریوں، وزیروں اور ماتحتوں

---

(۱) انتخابِ حدیث، ص:۳۳۲

(۲) سورۃ آل عمران:۱۵۹

(۳) سورۃ الشوریٰ:۳۸

(۴) آلوسی، محمود، امام، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۴/ ۱۰۶

(۵) اسلامی سیاست، ص:۲۸۹

سے مشورہ لینا چاہئیے (۱) کیونکہ ملک وملت کی ترقی کا راز اسی میں ہے کہ اجتماعی امور میں مشاورت کا طریقہ اپنایا جائے۔ تاکہ قوم کی اجتماعی دانش سے فائدہ اٹھاکر بعد میں ناکامی کا سبب لیڈر کو قرار نہ دیا جائے۔ سب کو مل کر قوم کو مشکل سے نکالنے کے لیے غور وخوض سے کام لینے کا موقعہ دیا جائے۔ جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ، وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ» (۲)

جس نے استخارہ کر لیا وہ نامراد نہیں ہوگا اور جس نے مشورہ کر لیا وہ نادم نہیں ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جو مشورہ سے انجام پاتا ہے اس میں ضرور خیر و بھلائی ہوگی۔

اصول نمبر ۱۱ : عرف عام (رعایا اور ریاست کے مزاج) سے واقفیت

چونکہ ریاستی قیادت ذمہ دار افراد ہوتے ہیں اور معاملاتِ ریاست میں دخیل اور اہم فیصلوں کا اختیار ان کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ان کا رعایا اور ریاست کے احوال، عرف اور رسم ورواج سے باخبر ہونا ضروری ہے، تاکہ کسی بھی معاملے میں کوتاہی کے مرتکب ہو کر ریاست و رعایا کا نقصان نہ کریں۔ قیادت رعایا کے لیے بمنزلہ وکیل ہے۔ کامیاب وکیل وہی ہوتا ہے جو کیس کی تمام تر تفصیلات سے واقف ہو۔ چنانچہ مشارق الأنوار میں ہے:

"النقيب العريف وهو شاهد القوم و ضمينهم" (۳)

نقیب عریف کو کہتے ہیں جو قوم کے معاملات کا نگران اور ذمہ دار ہوتا ہے۔

مولانا گوہر رحمان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" جو شخص نہ لوگوں کے رسم ورواج اور عرفِ عام سے واقف ہو، نہ حالاتِ حاضرہ کا علم رکھتا ہو اور نہ بین الاقوامی امور سے واقف ہو، وہ ریاست کے اس اہم ترین قانون ساز اور پالیسی ساز ادارے کے فرائض پورے نہیں کر سکے گا " (۴)

لہٰذا اسلامی ریاست کی قیادت کو رعایا کے حالات اور معاملات سے باخبر رہنے کے ساتھ ساتھ گہری بصیرت کا بھی حامل ہونا چاہئیے۔

اصول نمبر ۱۲ : ریاست اور رعایا کا اعتماد

مسلمانوں اور اسلامی ریاست کا وقار اس وقت بلند ہوتا ہے، جب ان کی اجتماعیت قائم ہے اور اجتماعی بقا کے لیے ریاستی قیادت کو اکثریت کا اعتماد بھی حاصل ہو۔ اس سلسلے میں مولانا گوہر رحمان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عرفاء اور نقباء وہی ہوسکتے ہیں جو اہلیت کے ساتھ معتمد بھی ہو، جس طرح کوئی شخص صرف اہلیت اور

---

(۱) ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن ابی بکر، تفسیر قرطبی، دار الاحیاء التراث، بیروت ۴/ ۲۴۹

(۲) طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، تحقیق: طارق عوض اللہ وغیرہ، دار الحرمین، قاہرہ، ۶/ ۳۶۵

(۳) سبتی، عیاض بن موسی، مشارق الانوار علی صحاح الآثار، المکتبۃ العتیقۃ، دار التراث، ۲/ ۲۳

(۴) اسلامی سیاست، ص: ۳۰۱

قابلیت کی بناء پر از خود کسی کا وکیل نہیں بن سکتا، جب تک کہ موکل نے اس پر اعتماد کر کے اپنا وکیل نہ بنایا ہو۔ اسی طرح نقیبِ قوم اور عریفِ قوم یعنی قومی نمائندہ صرف اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے رکن شوریٰ نہیں بن سکتا، جب تک کہ اسے اپنی علاقے کے لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہو جائے "[۱]

بہترین قائد اسے قرار دیا گیا ہے، جس سے ریاست کے عوام الفت و محبت رکھتے ہو اور وہ رعایا سے محبت رکھتا ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ»[۲]

تمہاری بہترین قائد وہ لوگ ہیں، جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے۔ تم ان کے لیے دعائے خیر اور وہ تمہارے لیے دعائے خیر کریں۔

ان راہنماؤں کی حیثیت اور شخصیت ایسی ہونی چاہئیے کہ جمہور امت ان کی پیروی کر رہی ہوں اور ان کے ارد گرد جمع ہو سکیں۔ اس سلسلے میں امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"سب سے اہم بات یہ ہے کہ لوگ خلیفہ سے خوش ہوں، اس کے ارد گرد جمع ہوں، اس کی عزت کریں اور یہ کہ وہ حدود کو جاری کرے۔ ملت کا دفاع کرے اور احکام نافذ کرے "[۳]

یہ بات طے شدہ ہے کہ ایک فعال اور پائیدار اقتدار اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا، جب تک زمانے کے ایک معتبر اکثریت اس کا ساتھ نہ دے، جو ہر زمانے میں معتبر سمجھے جاتے ہیں۔

ریاستی قیادت کے انتخاب میں ایسے افراد کو ترجیح دینی چاہئیے جو چاہے زیادہ پرہیز گار نہ ہوں، تاہم قوم کو متحد کرنے اور مصالحِ امت کی اچھی طرح محافظت کر سکتے ہوں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

" صحابہ رضی اللہ عنہم میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو اپنی نیکی، عبادت گزاری اور زہد و جانثاری کے باعث اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھے۔ تاہم نہ تو وہ نظم و نسق اور حکومتی معاملات کا طبعی رجحان رکھتے تھے نہ تجربہ۔ لہذا نہ تو انہیں کوئی عہدہ دیا گیا، نہ کوئی اور سرکاری ذمہ داری۔ اس کے بر خلاف حضور نبی کریم ﷺ نے سرکاری عہدے ایسے لوگوں کو دیے جو یقیناً نیکی، دینی علم اور اللہ سے ڈرنے میں حضرت ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ہم پلہ نہیں تھے "[۴]

---

(۱) اسلامی سیاست، ص:۳۰۲

(۲) صحیح مسلم، باب: خِيَارُ أَئِمَّةٍ وشرارہم، حدیث نمبر:۳۴۴۷

(۳) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، دار احیاء العلوم، بیروت، لبنان، ۱۹۹۲ء، ۳۹۸/۲

(۴) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، منتخب مقالات، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص:۳۴

اصول نمبر ۱۳: اجتہادی بصیرت کا حامل ہونا

کسی بھی ریاست کے قائد اور تحریک سے وابستہ افراد میں بیک وقت علم و دانش اور جذبہ صادقہ دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ تو محض جذبے سے سرشار ہجوم فائدہ مند ہے اور نہ محض مجلس ہائے دانش سے ہی انقلاب کشیدہ ہوتے ہیں۔ قیادت کو چاہیئے کہ جذبہ و دانش میں خلیج کو پاٹنے کے لیے حکمتِ عملی بنائے۔ بصیرت، حکمت، پختہ سوچ، تجزیہ، اصابت رائے، اگر قوتِ عمل میں نہ ڈھلے تو سرگرمیاں ہوں گی، مگر ثمر آور نہ ہو سکیں گی۔ جذبہ تو ہو گا مگر موثر نہ ہو سکے گا۔ تحریک تو ہو گی مگر پیش قدمی نہ ہو گی۔[1] ان سب کا تعلق اجتہادی بصیرت سے ہے۔

علم و دانش کے ساتھ ساتھ جذبہ صادقہ وہ حرکی قوت ہے، جس سے نبی ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اسلام کو چاردانگ عالم میں پھیلایا اور اصول و ضابطے کی حکمرانی ممکن بنائی۔ یہی انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔ جس سے انسانیت ناواقف ہوچکی تھی۔ اس پاکیزہ تحریک کی قیادت نے مختلف المزاج، خصوصیات اور اصحابِ بصیرہ افراد کی ایک عالمی تحریک برپا کی، جو انسانیت کی نجات[2] کا سبب بن گئی۔ قیادت پر فائز افراد ریاست، تحریک اور جماعتوں کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ سوچنے سمجھنے والے افراد اس کا دماغ ہیں۔ دونوں کی ہم آہنگی اجتہادی بصیرت کا مظہر ہے۔

اصول نمبر ۱۴: سادگی اور تواضع

ظاہر و باطن کی پاکیزگی، تصنع سے اجتناب اور وضع و قطع کی سادگی وہ عوامل ہیں، جو انسانی اور دیگر مادی وسائل کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ دنیا کی عظیم شخصیات نے سادہ زندگی گزار کر قیادت کی ذمہ داریاں خوب نبھائی اور زندگی کے پر پیچ راستوں پر سفر کرتے ہوئے، افراط و تفریط کے شکار انسانوں کو پاکیزہ تحریک کا حصہ بنایا۔ جس سے قوم نے کامیاب زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھا۔ محمدِ مصطفی ﷺ ایسے ہی دور میں تشریف لائے کہ دنیا افراط و تفریط کی شکار، آقا و غلام، کالے گورے، شاہ و گدا اور عربی و عجمی کے بندھنوں میں گرفتار تھی۔ آپ ﷺ کی تحریک نے ان کو مٹا کر جانثار و پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تبدیل کیا۔ جن کی سادہ زندگی رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے منارہ نور اور اعلی معیار بن گئی۔ صحابہ نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں کمال سادگی سے کام لیا۔ رسول اللہ ﷺ کی سادگی تو بے ہی مثالی۔ ایک دن کسی نے کھانے کی کوئی چیز بھیجی، رکھنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو فرمایا کہ زمین پر رکھو اور ساتھ فرمایا:

« فَإِنَّمَا هُوَ عَبْدٌ يَأْكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ، وَيَشْرَبُ كَمَا يَشْرَبُ الْعَبْدُ»[3]

میں تو اللہ کا ایک غلام (بندہ) ہوں، اور بندوں کی طرح کھاتا اور پیتا ہوں۔

---

(۱) ماہنامہ ترجمان القرآن، مقالہ ارشد احمد بیگ، نومبر ۲۰۱۴ء، ص:۵۳

(۲) سورۃ آل عمران:۱۰۳

(۳) ابو بکر بن ابو شیبہ، مسند، حدیث نمبر:۹۶۳، تحقیق: عادل یوسف، دار الوطن، ریاض، طبع اول: ۱۹۹۷ء، ۲/۴۲۴

خلفائے راشدین نے آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر امتِ مسلمہ اوراس کے سربراہوں کے لیے سادگی کا اعلیٰ معیار قائم کیا۔ رعایا کی خبر گیری ہو یا ان کی حقوق کی حفاظت و نگہداشت، بیت المال یا ریاست کی حدود کی حفاظت ،نہایت خلوصِ دل سے ان ذمہ داریوں کو نبھاکر ان کا حق ادا کیا۔ ان کے نقشِ قدم پر چل کر قائدین امت کو سادہ زندگی اپنانا وقت کا اہم تقاضا ہے ۔ اس وقت خود پسندی اور تصنع نے امت کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔اس بات کی نشاندہی آقائے دوجہاں ﷺ نے ان الفاظ میں کی ہے:

«مَنْ تَوَاضَعَ لِلهِ دَرَجَة ،رَفَعَهُ اللهِ دَرَجَة ،حَتى يَجْعَلَهُ فِي عِلِّيينَ، وَمَنْ تَكبرَ عَلَى اللهِ دَرَجَة، وَضعه اللهِ دَرَجَة، حَتَّى يَجعَلَهُ فِي أَسفَلِ السافِلِينَ»(۱)

جس نے اللہ کے لئے ایک درجہ تواضع اختیار کی، اللہ اسے ایک درجہ بلند کرے گا، یہاں تک کہ اسے اعلیٰ علیین میں پہنچائے گا۔ اور جس نے ایک درجہ تکبر اختیار کیا، اللہ اسے ایک درجہ ذلیل کرے گا، تاوقتیکہ اسے اسفل السافلین میں پہنچادے۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے، تو آپ رضی اللہ عنہ کا استقبال کرکے لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین اگر آپ رضی اللہ عنہ ترکی گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اس حال میں سردارانِ قوم اورزعماء آپ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کریں (تو اچھا ہو گا)۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سخت سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

«لاَ أَرَاكُمُ هَاهُنَا ، إِنَّمَا الأَمْرُ مِنْ هَا هُنَا ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى السَّمَاءِ،خَلُّوا سَبِيلَ جَمَلِي»(۲)

میں تم کو یہاں نہ دیکھوں، آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: فیصلے وہاں سے آتے ہیں، میرے اونٹ کا راستہ چھوڑو۔

خلاصہ بحث

آج امت مسائل کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے۔ان مسائل سے خلاصی کے لیے مضبوط انتظامی ڈھانچے کی ضرورت ہے۔ یہ انتظامی ڈھانچہ قائم کرنا سیاست دانوں اور وقت کے حکمرانوں کا کام ہے۔ اس وقت تک یہ ممکن نہ ہو گا، جب تک حکمران خود اور اپنا طرزِ حکومت اسوہ حسنہ اور خلفائے راشدین کے طرزِ حکمرانی کے موافق نہ کرلیں۔ اس مقالہ میں اسلامی تعلیمات، اسوہ حسنہ اور خلفائے راشدین کے طرز حکومت سے چند اصول اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ اصول آج امتِ مسلمہ کے حکمرانوں کے لیے رہنمائی فراہم کرنے کا ذریعہ ہوسکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکمران ان اصولوں کو اپنائیں۔ جتنا جلد وہ شرعی طرزِ حکومت اپنائیں گے ، اتنا جلد امت کے مسائل کم اور وسائل

(۱) ابن حجر، احمد بن علی عسقلانی، الامالی المطلقۃ، تحقیق: حمدی عبدالمجید، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع اول: ۱۹۹۵ء، ۱/ ۸۹

(۲) السنۃ، ابو بکر احمد بن محمد الخلال، تحقیق: عطیہ بن عتیق الزہرانی) دار الرایۃ، ریاض، طبع دوم: ۱۹۹۴ء، ۲/ ۳۱۷

بڑھیں گے۔ آج مسلم ممالک غلط طرزِ حکمرانی کے باعث باہم دست و گریبان ہیں۔ غیر مسلم حکمرانوں کی سادگی اور مسلم زعماء کی شاہ خرچیوں کی امثلہ زبان زد عام ہیں۔ عوام کو سیاسی اور معاشی مسائل میں الجھا کر حکمران اپنے مسائل پر توجہ مرکوز رکھے ہوئے ہیں۔ اغیار ہمارے نبی کی طرزِ حکمرانی اپنا کر ترقی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

الغرض! اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قیادت کے لیے درج ذیل تجاویز پیش خدمت ہیں:

۱- حاکمیت الٰہی کے قیام کی پاسداری کریں، یہی عقیدہ توحید کا تقاضا ہے۔

۲- رنگ و نسل اور دیگر امتیازات و عصبیتوں کو مٹائے اور رعایا میں اسلامی وحدت واخوت کو فروغ دیا جائے۔

۳- امانت و دیانت کی رَوِش کو فرغ دیا جائے تا کہ استحکامِ ریاست اور نظم وضبط کے قیام میں آسانی ہو۔

۴- عدل و انصاف اور مساوات جیسے معاشرتی عوامل کو مد نظر رکھا جائے اور اس کے عملی نفاذ کی سعی کی جائے۔

۵- خود غرضی اور لالچ سے دور اور عرف عام سے باخبر رہے تا کہ تمام اجتماعی کوششیں بے اثر ہو کر نہ رہ جائیں۔

۶- اطاعتِ شریعت کو مد نظر رکھیں تا کہ ریاست میں امن و سلامتی اور استحکام ہو اور رعایا میں نظم وضبط قائم رہے۔

۷- اجتماعی طور پر ریاست میں خدا خوفی کا ماحول پیدا کیا جائے اور رعایا کی خدمت اخلاص کے ساتھ کی جائے۔

۸- ریاست میں اصول پسندی کو رواج دیا جائے تا کہ رعایا میں ہم آہنگی وہمکاری کو ممکن بنایا جا سکے۔

۹- ملنساری، شگفتہ مزاجی، نرم خوئی اور خیر خواہی، سادگی اور تواضع جیسی صفات کو فروغ دیا جائے۔

۱۰- دھوکہ دہی جیسے رذائلِ اخلاق کی حوصلہ شکنی کی جائے اور رعایا کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کی جائے۔

۱۱- علم و دانش کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ جذبہ صادقہ سے قوم کو سرشار کرنے کی کوشش کی جائے۔